Fikr-o-Nasar (Islamabad) 4:8 (1967)

پیغمبرِ اسلامؐ

تاریخ کے پس منظر اور پیش منظر میں

: کوثر نیازی :

اگر افراد کی میعادِ زندگی کو معیار سمجھا جائے تو چودہ سو سال کا عرصہ خاصا لمبا معلوم ہو گا، اور اگر اس سے ذرا آگے قدم بڑھایا جائے اور قوموں کی زندگی کی میعاد کو معیار بنا لیا جائے تو یہ زیادہ سے زیادہ سو سوا نسلوں میں سمٹ جائے گا اور اس کے بُعد کا احساس بہت کم ہو جائے گا لیکن اگر اس کو دنیا کی ایسی عصر ساز تحریکوں کے نقطۂ نظر سے دیکھا جائے جو عالمِ انسان کی فلاح و بہبود کے لئے جاری ہوئیں اور جن کے اثرات نے انسانی تاریخ کے دھارے اس طرح موڑے کہ انسان موجودہ دور تک ترقی کی منزلیں طے کرنے میں کامیاب ہو سکا، تو یہ طویل اور بعید عرصہ کل کی بات معلوم ہوتا ہے۔ اور آدمی حیرت زدہ ہو کر یہ سوچنے لگتا ہے کہ ایک فردِ واحد کی آواز میں یہ اثر کیسے اور کیوں کر پیدا ہوا، کہ اس آواز نے نہایت قلیل مدت میں تاریخ کے متوقع راستوں کو بدل کر انسان کو اس راستے پر ڈال دیا ہے کہ اس کی تاریخ کے کوکھ سے مشتری شکار دَور جنم لے سکے۔

لیکن یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ایسا ہی ہوا، اور اس سے انکار ممکن نہیں ہے۔ آج سے چودہ سو برس پہلے کی دنیا عجیب و غریب تھی۔ یورپ ایک وسیع و عریض خطۂ زمین تھا جسے چند خاندانوں یا چند قبیلوں نے آپس میں بانٹ لیا تھا، اور جو آپس میں عام دیہاتی زمینداروں کی طرح پانی کی باری یا مویشیوں کی کمی بیشی پر لڑا کرتے تھے، ان میں سے کسی کو کپاس کا علم نہ تھا۔ جانوروں کی کھالیں لباس کے نام سے اوڑھی جاتی تھیں۔ انگریزی کا مشہور ڈرامہ نویس ولیم شکسپیئر ملکہ الزبتھ اوّل کے عہد کا انگریز اور سترھویں صدی عیسوی کا انسان ہے۔ اس کی زندگی کی سب سے بڑی خواہش یہ رہی کہ وہ ایک تکیہ حاصل کر سکے جس پر سر رکھ کر سونے کی عیاشی اس کے لئے مقدر ہو سکے، اس ایک واقعہ سے آپ انگلستان کی معاشرتی اور سماجی زندگی کا اندازہ کر لیجئے اور اس سے تقریباً گیارہ سو سال پہلے کی زندگی کو قیاس کر لیجئے۔ تیمور گورگان نے تیرھویں صدی عیسوی میں ماسکو پر حملہ کیا تھا۔ اُس

وقت ماسکو لکڑی کے بنے ہوئے پانچ سو گھروں پر مشتمل تھا جس کے رہنے والوں کو برفانی طوفانوں سے بچنے کی کسی ترکیب کا کوئی علم نہ تھا۔ اس سے تقریباً سات سو سال پہلے آج کی دنیا کے اس عظیم شہر کی سماجی، سیاسی اور اقتصادی حیثیت کا قیاس اس ایک واقعہ سے کرنا کچھ ایسا مشکل نہیں، یہ آج سے چودہ سو برس پہلے کی مغربی دنیا ہے۔

مشرق اس سے بہت زیادہ آباد، بہت زیادہ ترقی یافتہ، کہیں زیادہ مہذب اور فکری میدان میں بہت سی منزلیں طے کر چکا ہے۔ مثلاً چین میں کنفیوشس پیدا ہو چکا تھا اور اس کی تعلیمات تقریباً ایک ہزار سال تک چینی ذہن کی تربیت کرتی رہی تھیں۔ چین کے جدید مؤرخین کے دعوؤں کے مطابق چین میں کاغذ تیار ہو چکا تھا اور تاریخ نویسی کا باقاعدہ آغاز ہو چکا تھا۔ شعری ادب ترقی کر چکا تھا۔ ریشم کا کپڑا تیار ہونے لگا تھا۔ چین ترقی کی اس منزل پر پہنچ گیا تھا۔ جہاں سے عالمی تجارتی استعمار کا دور شروع ہوتا ہے۔ لیکن یہ دنیوی اور فکری ترقی کا مفہوم اولادِ آدم کے نقطۂ نظر سے کیا تھا یہ بالکل مختلف کہانی ہے۔

کنفیوشس کا فلسفہ مزارع کو زمیندار کا، مزدور کو کارخانہ دار کا، رعایا کو درباری امیروں کا، اور ان کی وساطت سے شہنشاہِ معظم کا غلام بنانے کے کام پر اس طرح جوت دیا گیا جس طرح بے زبان بیل ہل میں جوت دیا جاتا ہے۔ اس فلسفے نے بڑے کے احترام کے نام پر چھوٹے کو ایسی اخلاقی زنجیروں میں کس دیا ہے کہ وہ بڑے کی ہر بے انصافی اور طاقت ور کے ہر استبداد کو خاموشی سے سہ جائے اور زبان سے اُف تک نہ کرے، کنفیوشس نے یہ کہا تھا یا نہیں، یہ الگ موضوع ہے لیکن بالادست نے اُسے یہی بنا دیا، اس سے جدید اور قدیم چینی مؤرخ انکار نہیں کر سکتے۔ ملک کی اسی فی صد اکثریت بیس فی صد اقلیت کی اقتصادی غلامی میں اس طرح جکڑ دی گئی کہ ہزاروں انقلابات اس اقتصادی جبر و استحصال کا کوئی علاج نہ کر سکے اور اسی فی صد آبادی بے کسانہ اور بے رحمانہ غلامی میں زندگی گزارنے پر اس طرح مجبور ہوئی کہ ایک گھر کے چار افراد میں تو صرف ایک جوڑا کپڑا گھر میں موجود ہے۔ ایک فرد اس ایک جوڑے سے تن ڈھانپ کر محنت مزدوری کے لئے باہر نکلتا ہے اور باقی کے تین افراد نیم برہنگی یا مکمل برہنگی کے عالم میں جھونپڑے میں بند رہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ اس پس منظر میں ریشم کی دریافت اور ریشمی کپڑے کی صنعت میں ترقی، کاغذ کی دریافت، تاریخ نویسی کی ابتداء اور برآمدی تجارت کے لئے نئے راستوں کی دریافت کس قدر بے معنی اور بے مصرف معلوم ہوتی ہے۔ چین اپنی تمام تر ترقیوں کے باوجود یورپ سے ایک قدم آگے معلوم نہیں ہوتا۔

اس دنیا کا دوسرا ترقی یافتہ ملک ہندوستان ہے۔ آج کا بھارتی مؤرخ بڑی آن بان سے ہندوستان کی بے پناہ ترقیوں کا ذکر کرتا ہے اور اس کو یقیناً ان ترقیوں پر فخر کرنے کا حق حاصل ہے اس میں کوئی کلام نہیں کہ ہندوستان کی مٹی نے اس ملک کے غیر ملکی حاکموں میں سے ایک حاکم کو مہاتما بدھ کے نام سے تاریخ کی وسعتوں میں اچھال دیا تھا۔ اس نام نے ہندوستان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک انسان دوستی کا غلغلہ بلند کیا، اور لاتعداد خداؤں کی اس دنیا میں ایک ایسا بے خدا معاشرہ پیدا کرنا چاہا جو خدا کے وجود سے حتمی اور قطعی طور پر انکار کردے اور انسانی جبلت کے نیک پہلو پر انسانی فلاح و بہبود کا تاج محل تعمیر کرے، اس ہندوستان میں اسی نظریاتی قوت کے تحت ایک سیاسی طاقت پیدا ہوئی جس نے اشوک اعظم کے نام سے مختلف سیاسی وحدتوں میں بٹے ہوئے اس خطۂ زمین کو چند دنوں کے لئے ایک سیاسی وحدت میں بدل دیا۔ بے شمار ترقیاں ہوئیں، بتایا جاتا ہے کہ اس عہد میں سونا اچھالتے گزر جائیے چوری چکاری کا کسی کو کوئی خطرہ نہ تھا۔ ہر آدمی روٹی کھاتا تھا، یہاں تک کہ برہمنی دَور کی وہ ہولناک صورت بھی باقی نہ رہی تھی جسے ذات پات کی تقسیم کے گھناؤنے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ انسان خواہ وہ مفتوح غلام "شودر" ہو یا فاتح اور مالک کھشتری اور اس کا دماغ برہمن سب یکساں تھے اور مہاراج ادھیراج سب کی سنتے اور سب کی مدد کو پہنچتے تھے۔ آریہ نسل کے متعین اور معروف اصولوں کے ہولناک انسان کش مظالم کی داستان کے درمیان یہ داستان بڑی خوش آئند اور انتہائی خوبصورت معلوم ہوتی ہے۔ جلتے صحرا کے درمیان نخلستان کہئے لیکن یہ کتنا کم سواد اور تھوڑی عمر والا دَور تھا اور اس کے بعد کیا ہوا۔ مہاتما بدھ کو کیوں خداؤں میں شامل کرکے معبود کا درجہ دے دیا گیا۔ سیاسی زبان میں ایک چھوٹی سلطنت کو بڑی سلطنت نے اپنے اندر ضم کرکے اپنا اٹوٹ انگ بنا لیا، مذہبی زبان میں برہمومت کی دیومالا میں ایک اور دیوتا کا اضافہ ہوگیا۔ بدھ مہاراج ان معنوں میں ہندومت کا اٹوٹ انگ بنے کہ یہ بھی ہندوؤں کے لاتعداد فرقوں میں سے ایک فرقہ کے معبود ہیں۔ سماجی زبان میں یہ نہیں یعنی بودھ مت کے ماننے والے برہمن اور کھشتری کے ساتھ شادی نہیں کرسکتے۔ برہمن اور کھشتری اس کے ہاتھ کا پکا نہیں کھائیں گے ان کے کنوئیں کا پانی نہیں پئیں گے کوئی بودھ ان کے چوکے میں داخل نہیں ہوسکے گا۔ ان حد بندیوں کے بعد بودھ مت، ہندومت کا اٹوٹ انگ ہے، تاریخی طور پر بودھ مت تحریک کا مسئلہ ہمیشہ کے لئے ختم ہوگیا، برہمنی سامراج نے بجا طور پر اعلان کردیا کہ بودھ مت اب کوئی مسئلہ نہیں، اس نظریۂ حیات کو بانجھ کردیا گیا ہے اس کی کوکھ سے کوئی اشوک اعظم جنم نہیں لے گا اور یہی ہوا ابھی کوئی اشوک پیدا نہیں ہوا۔ شودر ذلتوں کی انتہائی پستیوں تک اتار دیئے گئے۔ برہمن عزت کے

بلند سے بلند تر سنگھاسن پر قابض ہوگیا اور کسی بودھ نے مہاتما بدھ کے نظریات کے نام پر اس انسان کُشی کے خلاف کوئی آواز نہیں اُٹھائی۔

اس دنیا کا تیسرا مہذب اور ترقی یافتہ حصہ وہ تھا جسے آسانی کے لئے ایران کی سلطنت کہا جاتا ہے، یہ متعدد جغرافیائی وحدتوں کے مجموعے کا نام تھی جو درفش کاویانی کے سائے میں متحد کر دی گئی تھیں۔ اس کا سب سے شاندار دَور نوشیروانِ عادل کا دَور ہے، جس کی ستائش میں شیخ سعدی شیرازی جیسے معقول اور غیر جانبدار شاعر نے اپنا زورِ بیان صرف کیا اس حکایت کو زندۂ جاوید بنا دیا کہ نوشیروان نے ایک غریب بڑھیا کی خاطر اپنے محل کی کجی کو بھی نظر انداز کر دیا، لیکن اس حکایت کی مقبولیت کے عقب میں جو بات پنہاں ہے وہ یہ بھی ہے کہ نوشیروان عادل سے پہلے اور بعد ایسی کئی غریب بوڑھی عورتیں دب کر رہ گئی ہوں گی جن کی رات کے مقابلے میں نوشیروان کا یہ چراغ سورج کی طرح چمکتا نظر آتا ہے۔ تفصیلات کی گنجائش نہیں۔ اس حکایت کے پس منظر میں بے انصافی اور جبر و استحصال کی مکمل تصویر آسانی سے دیکھی جا سکتی ہے۔

اس دنیا کا چوتھا مہذب ملک یونان ہے جسے یورپ والے اپنا کہتے ہیں، ایشیا والے اس پر اپنا دعویٰ جتاتے ہیں۔ یہ اس کی عظیم مقبولیت کی دلیل ہے اور یہ مقبولیت بے بنیاد نہیں۔ اس میں ارسطو، بقراط اور افلاطون جیسے قائدینِ فکر پیدا ہوئے جنہیں آج کی دنیا بھی اپنا استاد مانتی ہے۔ انہوں نے سیاست، تاریخ، سائنس، حکمت، اقتصادیات، نوآبادیات غرض ماڈرن زندگی کے ہر شعبے کے لئے راہیں مہیا کیں۔ حد یہ ہے کہ ہمارے یہاں درس نظامی میں ان کے فلسفہ و منطق کے اصول اور مبادیات کی تعلیم آج بھی دی جاتی ہے۔ انہوں نے زندگی کے ہر شعبے میں عالم انسان کی قیادت کا حق ادا کر دیا، لیکن یہ دنیا تھی کیا؟ وہ کیسا معاشرہ تھا جس نے کئی تقریباً غیر فانی نام تاریخ میں محفوظ کر دیئے، یہ الگ داستان ہے۔ اس میں مفتوح قومیں اس طرح غلام بنائی گئیں کہ ان کا نام و نشان مٹ گیا۔ جمہوری ریاست کے شہری صرف حکمران قوم کے افراد تھے اور یہی وہ لوگ تھے جو ووٹوں کے ذریعے مفتوح اقوام پر حکومت کرتے تھے۔ ان کے ووٹ قانون بناتے تھے جو مفتوحوں پر نافذ العمل ہوتے تھے مگر فاتحین پر اثر انداز نہیں ہو سکتے تھے۔ مفتوح اقوام کی اکثریت پر فاتح قوم کی متحدہ آمریت کو جمہوریت کے نام سے مسلط کر دیا گیا تھا، یہی یونان کی شہری جمہوریت تھی، مفتوح قوم کے سر بازار نیلام ہوتے ہوئے ناموس، بھیڑ بکریوں کی طرح بکتی ہوئی جوانیاں، انصاف سے مایوس ہونے والے مفتوحوں کی خودکشی ان کا قتلِ عام اور ان کی زندگی بیزار زندگی کے پس منظر میں سقراط کے مقالے اور بقراط کی

جمہوریت" کا مطالعہ بڑے بڑوں کے پِتّے پانی کر دیتا ہے اور یہ بڑے بڑے خیالات یکسر لغو اور بے معنی معلوم ہونے لگتے ہیں۔ رومنوں کی عظیم سلطنت اس کا منطقی نتیجہ معلوم ہونے لگتی ہے۔

یہ وہ دنیا تھی جو آج سے سینکڑوں سال پہلے تک قائم تھی۔ اس پسِ منظر کو ذہن میں رکھ کر ذرا تصور کیجئے کہ یہ دنیا انسانی تاریخ کے لئے کیا خطوطِ عمل متعین کرتی ہے اور اس سے کیا قیاس ہوتا ہے کہ آنے والی دنیا اگر انہی خطوط پر چلتی رہی تو اس کا رنگ کیا ہوگا۔ آپ اگر خود غور کریں تو اس کا نقشہ ہم سے بہتر قائم کر سکیں گے، ہماری سمجھ میں جو کچھ آتا ہے یہ ہے کہ یہ دنیا بالادستوں کی جنت اور زیردستوں کے لئے دوزخ ہونی چاہیئے۔ یہ طاقت کی دنیا ہے جو طاقت ور ہے وہ کمزور کو غلام بنائے گا۔ فاتح مفتوح کو کچل کر شودر بنا دے گا۔ انسان انسان کو اس طرح نگل جائے گا کہ اس کا کوئی نشان باقی نہ رہے۔

اس ہولناک توقع کے درمیان آج سے صرف چودہ سو سال پہلے عرب کے دور افتادہ اور الگ تھلگ علاقے میں مکہ کے ایک تاجر کے ہاں ایک بچہ پیدا ہوا جس نے یتیمی میں آنکھ کھولی۔ غریبی میں پل کر جوان ہوا، اور جب نبوت کے فوزِ عظیم سے سرفراز ہوا، تو اس کی آواز نے ان سارے تصورات کو باطل کر دیا اور دنیا کا متوقع نقشہ بدل گیا۔ صلے اللہ علیہ وسلم۔

اس بدلے ہوئے نقشے میں ہمیں بعض عجیب و غریب چیزیں نظر آتی ہیں:۔

۱ : دنیا میں کوئی ایک قوم باقی نہیں جو وحدانیت کی قائل نہ ہو، اور بُت پرستی کو قابلِ فخر مذہب سمجھتی ہو۔ یہاں تک کہ نہایت سخت جان برہودھرما بھی ہتھیار ڈال رہا ہے۔

۲ : دنیا میں کوئی ایک قوم باقی نہیں جو کم از کم نظری طور پر انسان پر انسان کی برتری کو بطور حق قبول کرے، اور اس کا اعلان کر سکے۔ انسانی برادری کا تصور بطور فلسفۂ زندگی کے پوری دنیا میں راسخ ہو چکا ہے۔

۳ : دنیا میں کوئی ایک قوم باقی نہیں جو بلند آواز سے یہ دعویٰ کر سکے کہ وہ دوسری قوم کے مال کو بغیر حق غصب کر لینے کی حق دار ہے اور اس لئے حق دار ہے کہ وہ طاقت ور ہے۔ گویا طاقت کا قانون غیر مستعمل نہیں تو غیر مقبول ضرور ہو چکا ہے اور عمل کے دائرے میں نہیں تو زبان اور بیان کے دائرے میں طاقت کے قانون پر فخر کرنے والا کوئی باقی نہیں۔ آج کی دنیا میں نوشیروان عادل کی کہانی مقبول نہیں ہو سکتی۔ یہ معمول کا حق ہے جس میں تعجب انگیز کہانی بننے کا کوئی مواد باقی نہیں رہا۔

۴ : دنیا کی کوئی قوم ایسی نہیں جو آئین کے بغیر حکومت کرے، خود اپنے آپ پر آئین کے بغیر حکومت قائم

کرنے والی قوم اقوام عالم کی برادری میں نکو سمجھی جائے گی اور برداشت نہیں کی جائے گی۔

یہ چند بنیادی تبدیلیاں ہیں اور اس فہرست میں اضافے کی بہت کچھ گنجائش باقی ہے۔ یہ ہم لوگوں کی کمزوری اور بدبختی ہے کہ دنیا کی اکثریت اس ہستی مقدس و مطہرؐ صلے اللہ علیہ وسلم سے ہدایت و رہنمائی حاصل کرنے کا اعتراف کرنے میں ہچکچا رہی ہے لیکن اس حقیقت سے تاریخِ عالم کا کوئی معمولی سے معمولی اور بڑے سے بڑا طالب علم انکار نہیں کر سکتا کہ ہادی کا اقرار و اعتراف کرنے کی سعادت سے محروم ہونے کے باوجود دنیا "ہدایت" پر عمل کر رہی ہے اور آج کی ترقی یافتہ قوموں میں کوئی ایک قوم ایسی نہیں جس نے ان ہدایات پر شعوری یا غیر شعوری طور سے عمل کئے بغیر ترقی کی ہو، یہ بے مثال اور غیر فانی معجزہ آج کی تاریخ کا بے حد نمایاں پہلو ہے کہ لا اِلٰہ الا اللہ پر ہر جگہ عمل ہو رہا ہے یہاں تک کہ روس اور چین بھی اس سے مستثنیٰ نہیں۔ پچھلے ہی سال عوامی جمہوریہ چین کے عظیم رہنما ماؤزے تنگ ایک امریکی اخبار نویس سے یہ کہتے سُنے گئے تھے کہ

"میں اپنے خدا سے ملنے کی تیاریاں کر رہا ہوں۔"

یہ لا اِلٰہ الا اللہ کی کامیابی کی بڑی نمایاں مثال ہے۔ اس کلمۂ طیب کے دوسرے حصے "محمد رسول اللہ" تک آنے کے لئے دنیا کو ابھی وقت کی ضرورت ہے اور جس طرح آج سے صرف ایک ہزار سال پہلے کوئی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ کلمۂ طیبہ کا ایک حصہ اس طرح پوری دنیا کا جزوِ ایمان بن جائے گا۔ اسی طرح آج یہ دعویٰ کرنے میں سب کو تامل ہے کہ اس کے دوسرے حصے پر بھی جلد عمل ہوگا۔ لیکن ہم علیٰ وجہ البصیرت یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ایسا ہوگا۔

تاریخ کے وہ دھارے جنہیں آج سے چودہ سو برس پہلے اس رُخ پر موڑ گیا تھا اگر ایک حصے تک پہنچ سکتے ہیں تو دوسرا حصہ زیادہ دور نہیں سمجھا جا سکتا۔

○